R. No. 2196/57 — Regd. No. 1977

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون ۶۹
قیمت فی پرچہ ...
فی پرچہ دس نئے پیسے

تاریخ اشاعت
۲۲-۱۵-۸-۱

جلد ۲۳ - شمارہ ۱۲ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | ۲۲ مارچ ۱۹۶۴ء

اداریہ

نثر اور نظم کی زبان

ہر زبان میں ادبی اسلوب اور بول چال کی زبان میں کچھ فرق ہوتا ہے مگر یہ فرق بہت زیادہ نہیں ہونا چاہیئے سرسید اور حالی سے پہلے ہمارے یہاں یہ فرق بہت زیادہ تھا۔ ان حضرات کی کوششوں سے عام فہم زبان کے بہت سے الفاظ جو شعر و ادب میں ٹکسال باہر سمجھے جاتے تھے، ادبی زبان میں داخل ہو گئے۔ اس طرح اُردو کی مقبولیت بڑھی لیکن اس میں شک نہیں کہ ابوالکلام آزاد کی نثر اور اقبال کی نظم کی زبان خاصی مشکل تھی اور اس سے پورا لطف لینے کے لئے فارسی ادب اور ایک حد تک عربی ادب سے بھی کچھ واقفیت ضروری تھی۔ ان حضرات کی تقلید میں ہماری نثر اور نظم میں مشکل پسندی کا ایک دور آیا۔ ادب لطیف کی تحریک نے بھی خاصی مشکل زبان کو برتا۔ پھر بھی پریم چند اور عظمت اللہ خاں کے اثر سے سادگی کی تحریک مدھم نہیں ہونے پائی اور آج مجموعی طور پر اُردو نثر اور نظم دونوں میں سادگی اور چلن پر توجہ زیادہ ہے۔ یہ اچھی بات ہے اور اس لے کو بڑھانا چاہیئے۔ ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شاعر اور ادیب عربی اور فارسی کے مناسب اور موزوں الفاظ استعمال کرنا ترک کر دیں۔ ایسے الفاظ تو برابر استعمال ہوں گے، لیکن ہم اس حقیقت پر زور دینا چاہتے ہیں کہ عربی اور فارسی کے اُن الفاظ کے علاوہ جو اب اُردو کا جز ہو چکے ہیں اور جنہیں سمجھنے والے کافی تعداد میں موجود ہیں، ملک میں عربی اور فارسی جاننے والوں کی تعداد بڑھ نہیں رہی ہے بلکہ کم ہو رہی ہے۔ ہاں ہندی اور علاقائی زبانوں کے جاننے والوں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔ اُردو اور ہندی کا جو قریبی تعلق ہے وہ سب پر روشن ہے۔ اچھی اور معیاری اُردو میں ہندی کے الفاظ کی تعداد خاصی نمایاں ہوتی ہے۔ یہ ہندی کے الفاظ وہ ہیں جو صدیوں سے بولے جاتے ہیں اور ان کی آوازوں کو اس طرح خوشنما بنا لیا گیا ہے کہ ان کے استعمال سے اسلوب میں شیرینی اور نرمی آتی ہے۔ اس لئے ادب میں ایسے الفاظ کا استعمال زیادہ ہوگا تو علاوہ ان الفاظ کی ادبیت کے ان کے سمجھنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہوگی اور اس سے اُردو کو فائدہ ہوگا۔ اُردو چونکہ دوسری زبانوں سے الفاظ لینے اور ذرا سے تصرف سے اُنھیں اپنے مطلب کا بنانے میں بخل نہیں کرتی ہے اس لئے وہ خاصی سرمایہ دار زبان ہو گئی ہے۔ اس سرمائے میں ایسے انگریزی الفاظ کا بھی اضافہ ہونا چاہیئے جو عام طور پر بولے اور سمجھے جاتے ہیں۔ نثر میں تو ان کا رواج ہو چلا ہے مگر نظم میں ابھی ایسا نہیں ہوا۔ ہماری غزل کی زبان اب بھی خاصی سخت گیر ہے اور نجی لے کو ذرا زیادہ ہی اہمیت دیتی ہے۔

اس اشاعت میں

اس میں ہندی کے الفاظ اور کچھ انگریزی کے الفاظ بھی شامل کئے جا سکتے ہیں۔ اخباروں کی زبان کو بھی آسان بنانا چاہئے اب مدیر، مجلہ، شمارہ، بدل اشتراک جیسے الفاظ ترک کر دینے چاہئیں اور ایڈیٹر، رسالہ، نمبر اور چندہ جیسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔ انگلستان میں سترھویں صدی تک نثر اور نظم کی زبان بول چال کی زبان سے خاصا بعد رکھتی تھی مگر آج کی انگریزی نثر اور شاعری کی زبان، خاصی عام فہم ہے۔ ہم اس بات کو برابر پیش نظر رکھیں تو اس سے ہمارے ادب کو فائدہ ہوگا۔ مشاعروں کی مقبولیت پر نہ جائیے ذرا غور سے دیکھئے تو وہاں ترنم مقبول ہوتا ہے یا آسان زبان۔ کسی نے اگر اردو نے معلی برتی تو اس کے کلام سے مجمع لطف نہیں لے پاتا۔ پھر ادبی زبان کو برابر تازہ رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے، یہ تازگی عام بول چال کی زبان اور ایک حد تک عوامی بول چال سے ہی مل سکتی ہے۔ اردو چونکہ سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے اس لئے ہمارے لئے یہ آسانی بھی ہے کہ ہم دوسری علاقائی زبانوں سے بھی کچھ الفاظ لے سکتے ہیں۔ مثلاً کوئی وجہ نہیں کہ کلکتے کا اردو کا ادیب اور شاعر کچھ بنگالی کے الفاظ استعمال نہ کرے اور بمبئی کا اردو کا ادیب اور شاعر مرہٹی اور گجراتی کے کچھ الفاظ نہ برتے۔ جو زبان جتنی روادار ہوگی اتنی ہی ترقی کرے گی، اور جس زبان میں بول چال کی زبان اور ادبی زبان میں فرق بہت زیادہ نہ ہوگا، اس میں تازگی اور طاقت بھی رہے گی۔

شکر نگر میں ادبی نشست

من جانب انجمن ترقی اردو شاخ بودھن بتاریخ ۱۳ر مارچ ۱۹۷۳ء بمکان جناب سعید صدیقی صاحب، اوج شکر نگر ایک "محفل نثر" زیر صدارت عالی جناب کرشنا ریڈی صاحب سول انجینیر نظام شوگر فیکٹری منعقد کی گئی جس میں صمد الدین فرخ، حافظ رفیق احمد منصف، ساغر حیدرآبادی، شاہد قادری، شاکر باجوارمی، سیدا عبدالقدوس، حضرت نسیم زیدی صابری، عادل رفیقی، حمایت علی، محمد ظریف اور منان قریشی نے اپنے افسانے اور مضامین سنائے۔ اس دلچسپ محفل کا رات کے ایک بجے اختتام عمل میں آیا۔ (ساغر حیدرآبادی)

شیخ رحیم کی ہندی کتاب کی طباعت

آگرہ یونیورسٹی کے ہندی انسٹی ٹیوٹ نے پنجابی کھا "پریم رس" کا مسودہ قدیم چھاپنے کا فیصلہ کیا ہے

بھاکھا پریم رس شیخ رحیم نے لکھی تھی اور یہ اودھی زبان میں ہے۔ یہ کتاب مثنوی ہے اور اس میں کسی غیر معروف بادشاہ کی منظوم کہانی بیان کی گئی ہے شیخ رحیم ضلع بہرائچ کے موضع چروالی میں پیدا ہوئے ان کا لکھا ہوا مسودہ حال ہی میں ہندی انسٹی ٹیوٹ کے کچھ محققوں کو ملا یہ پہلی ہندی کتاب ہے جو اس ادارہ کی طرف سے چھاپی جا رہی ہے۔ یہ ادارہ یوپی کے سابق گورنر مسٹر کے ایم منشی کے ایما سے قائم کیا گیا تھا جو ہندی اور دوسری علاقائی زبانوں میں نایاب کتابیں ملتی ہیں۔

"افکار" کی بیسویں سالگرہ

اردو کا مشہور ماہنامہ افکار کراچی اپریل کے پہلے ہفتے میں اپنی بیسویں سالگرہ پر تقریباً تین سو صفحوں کا "افسانہ نمبر" پیش کر رہا ہے۔ افسانہ نمبر میں اردو افسانہ پر ایک مذاکرہ بھی شامل ہوگا اور تخلیقی کہانیوں کے علاوہ چند بین الاقوامی زبانوں کی نمائندہ کہانیوں کے ترجمے بھی پیش کئے جائیں گے۔

میلارام وفا کو اعزاز

حکومت پنجاب نے پنڈت میلارام وفا کو سال کے بہترین ادیب اور مصنف کی حیثیت سے اعزاز دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں چنڈی گڑھ میں ایک کتابچہ شائع کیا جائے گا جس میں وفا صاحب کی شخصیت اور ادبی خدمات پر مضامین ہوں گے۔

بہار ریاستی انجمن ترقی اردو

پٹنہ ۱۰ر مارچ، بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ کی ایک ہنگامی نشست میں تین تجویزیں پاس ہوئیں۔

تجویز ۱ میں جناب محمد ایوب صاحب ایڈوکیٹ مرحوم صدر بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی انسانیت دوستی، بلند اخلاقی، غربا پروری، تعلیمی اداروں سے گہری دلچسپی، قوم و ملک کے لئے خلوص، اردو کے سلسلے میں ان کی جد و جہد اور اردو گرلس اسکول کے لئے ان کی قربانیوں کا اعتراف کیا گیا۔

تجویز ۲ کے ذریعے ۲۲ر مارچ سنہ ۱۹۷۳ء کو پوری ریاست میں وسیع پیمانے پر "یوم ایوب" منانے کا فیصلہ کیا گیا۔

تجویز ۳ کی رو سے مرحوم کے قائم کردہ اردو گرلس ہائی اسکول کے نام میں اضافہ کر کے ایوب اردو گرلس ہائی اسکول کیا گیا۔

(آفس سکریٹری بہار ریاستی انجمن ترقی اردو)

اقبال کرشن

ادبی ترجمہ کا فن

عام طور پر ترجمہ ایک نہایت آسان فن ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے لغت بینی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ادبی ترجمہ ایک مہارت طلب فن ہے، اور لغت بینی سے کوسوں آگے کی چیز ہے۔ ادبی تحریروں کے ترجمے کے لئے دونوں زبانوں پر کامل دستگاہ کی تو ضرورت ہوتی ہے، ساتھ ہی ساتھ دونوں زبانوں کے ادب پر بھی عبور حاصل ہونا لازمی ہے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ادبی ترجمے اور عام ترجمے میں کیا فرق ہے۔ عام ترجمے کے لئے ہم ایک دوسرا لفظ 'ترجمانی' استعمال کر سکتے ہیں۔ کسی زبان کی تحریر یا تقریر کو کسی دوسری زبان میں یوں منتقل کرنا کہ اصل زبان کا مفہوم مترجم زبان والوں کی سمجھ میں بخوبی آجائے، ترجمانی ہے۔ دوسری طرف، ادبی ترجمہ ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے لئے بہت سی باتوں کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔

سب سے پہلے اصل تحریر کا پڑھنا ہے۔ اگر آپ نے اصل تحریر کو کم سے کم دس بار نہیں پڑھا تو ترجمے کے لئے قلم اٹھانے کا آپ کو کوئی حق نہیں۔ اس طرح بار بار پڑھنے کی تاکید اس لئے کی گئی ہے کہ اصل تحریر کی تمام خصوصیات مترجم کے سامنے آجائیں۔ اب ان خصوصیات کا فرداً فرداً ذکر کیا جاتا ہے۔

مقام کا تعین اصل تحریر کا ادبی مقام متعین کرنا لازمی ہے مترجم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اصل تحریر کا اس کی زبان میں کیا مقام ہے، مصنف کا کیا مقام ہے، اسلوب کون سا ہے، کس مزاج اور کس ذہنیت کے تحت تحریر وجود میں آئی، مصنف کا تحریر کے وقت کیا ماحول تھا، تحریر کو وجود میں لانے کے لئے بیرونی عناصر آیا تھے یا نہیں، اگر تھے تو کیا کیا تھے۔

صوتی خصوصیات ترجمے کے لئے اصل تحریر کی صوتی خصوصیات کا معلوم کر لینا بھی لازمی ہے۔ مترجم کو اصل تحریر کی زبان کی صوتیات کا ماہر ہونا ضروری ہے۔ اور تحریر کے اصوات پر نگاہ رکھنی بہت ضروری ہے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ اصل تحریر کا صوتی رنگ کیا ہے، کون کون سے اصوات مصنف کو مقابلتاً زیادہ پسند ہیں، عبارت مقفّے ہے یا سادہ، اصل تحریر خوش آہنگ (Euphonic) ہے یا بار سماعت، تحریر کے الفاظ سہل التلفظ ہیں یا اس کے برعکس، کون کون سے مصمتے تحریر سے بالکل خارج ہیں، ایک لفظ یا بہت سے الفاظ میں قریب قریب آنے والے حروف قریب الصوت ہیں یا اس کے برعکس، وغیرہ وغیرہ۔

انتخاب لغات یہ ایک غور طلب بات ہے کہ ایک ہی معنی رکھنے والے بہت سارے الفاظ میں ایک مخصوص لفظ کیوں مصنف انتخاب کرتا ہے۔ ترجمے کے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اصل تحریر کا لفظ اپنے ہم معنی الفاظ میں کیا مقام رکھتا ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے، اس کے اندر مفہوم کی ادائی کی شدت ہے یا ڈھیلا پن۔ پھر مترجم زبان میں اصل زبان کے لفظ کے تمام ہم معنی الفاظ جمع کرنا پڑیں گے اور ان میں سے ایک ایسے لفظ کا انتخاب کرنا پڑے گا جو اصل لفظ کی مذکورہ خصوصیات کے مطابق اصل لفظ کا بالکل صحیح مقابل لفظ ہو۔ اس کے لئے بہت سخت ضرورت "ترجمہ لغت" کی ہے جس میں ایک لفظ کا بالکل صحیح مقابل لفظ اس کے سامنے دے دیا گیا ہو۔ مثلاً ہندی کا ایک لفظ ہے "رجنی" ترجمانی کے وقت ہم بے کھٹکے "رات" کہہ دیں گے، لیکن ادبی ترجمے کے وقت "رجنی" کے مقابل ہم "شب" استعمال کریں گے، کیونکہ ہندی زبان میں "رات" اور "رجنی" میں وہی فرق ہے جو اردو زبان میں "رات" اور "شب" میں ہے۔

غرض اسی طرح اور بھی بہت سی خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر ترجمے کا کام شروع کرنا چاہئے ایک مثال اس کلام پاک کی لے لیجئے۔ یہ عربی صحیفہ عربی زبان میں سب سے اونچا ادبی مقام رکھتا ہے۔ اس کی زبان الہامی ہے۔ اس میں عبارتیں مقفّی ہیں۔ الفاظ کثیر المعانی ہیں۔ مفہوم صاف نہیں ہے بعض جگہ۔ اب اس کا ترجمہ بھی اردو میں ان ہی خصائص کے ساتھ ہونا چاہئے۔ آج تک جتنے بھی ترجمے کلام پاک کے ہوئے ہیں سب ترجمانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک بھی ترجمہ ایسا نہیں ہے جس کو مکمل الہامی کہا جا سکے۔ جس کو اردو ادب میں سب سے اونچا مقام حاصل ہو، وغیرہ وغیرہ۔

صحیح ادبی ترجمہ وہ ہے جس کا باز ترجمہ (Retranslation) اگر کیا جائے تو وہ اصل کے بالکل عین مطابق ہو! اچھا ترجمہ وہ نہیں جو تصنیف معلوم ہو۔ تصنیف تصنیف ہے، ترجمہ ترجمہ ہے۔

بال کرشن راؤ
مترجم: اشفاق محمد خاں ایم۔ اے (علیگ)

ہندی کے ذریعہ سے خبریں

میں اس مخصوص نکتہ کو بلا تامل تسلیم کروں گا جو ہمارے خلاف ہے یا اُن لوگوں کے خلاف ہے جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہندی کو جلد اور مکمل طور پر، انگریزی کی جگہ حاصل ہو جانا چاہئے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ پریس کے رجسٹرار کی حالیہ سالانہ رپورٹ کے مطابق ہندوستان کے انگریزی روزناموں کی تعداد اشاعت میں اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں ہندی اور انگریزی اخبارات و رسائل کے اعداد و شمار بلحاظ اضافہ بتاتے ہیں کہ ۶ فی صدی ہندی اخبارات کے مقابلے میں انگریزی اخبارات کی اشاعت میں ۱۰٫۳ فی صدی کا اضافہ ہوا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ "انگریزی" کے باوجود جو ان اخباروں میں لکھی جاتی ہے بیشتر اخبارات ہندوستان میں ہی شایع ہوئے۔

پرانی عادتیں ذرا مشکل سے چھوٹا کرتی ہیں۔ ایسے لوگ جنھوں نے ہمیشہ صبح کی چائے، انگریزی اخبار کو اپنے سامنے رکھ کر نوش جان کی ہو، ان کے لئے یہ اخبار صبح کی چائے کا جزو لاینفک ہے۔ لیکن اس بات سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ انگریزی اخبارات کا اشاعتی اضافہ ہندی پریس کے کام پر سبقت لئے ہوئے ہے۔ البتہ اس کا مجھے یقین ہے کہ ہندی روزنامہ خبروں کے پیش کرنے کا کوئی ایسا انداز اب تک نہیں اپنا سکا ہے جو بے حد مؤثر ہو۔ انگریزی اخبار کے پیچھے جدوجہد کی ایک طویل تاریخ ہے اور اس کے گوناگوں امدادی وسائل سے قطع نظر، انگریزی زبان کی غالب حیثیت کو مستحکم کرنے میں اس زبان کی کلاسکیت کو بڑا دخل ہے۔ ہم جو کچھ کرتے آئے ہیں یقیناً اس سے بہتر کام کر سکتے ہیں، بشرطیکہ اپنی بات کو آسان اور موثر زبان میں کہیں۔

اس بات کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک روزنامہ ایسے لفظ کو جو اردو یا انگریزی میں عجیب سمجھا جائے، اسے سُرخی کے طور پر یا خبروں کے کالم میں لکھتے ہوئے کیوں ہچکچاتا ہے جب کہ وہ ہندی بولے جانے والے وسیع علاقے میں خالص ہندی خیالات کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ "استعفے" کو لیجئے۔ "مسٹر سنجیوا ریڈی کو استعفے دینے کی اجازت مل گئی ہے۔"

یہ خبر یقیناً اخباروں کے لئے ایک اہم خبر ہے اور اس لائق ہے کہ اسے اخبار کے صفحہ اوّل پر جلی حروف میں سُرخی کے طور پر چھاپا جائے۔ لیکن اس جملے میں اُردو کا لفظ "استعفے" لکھا جانا چاہئے یا ہندی کا "تیاگ پتر"؟ میرے خیال میں کوئی ایک لفظ اپنے علاقے کے تعلق سے جہاں سے وہ اخبار شایع ہوتا ہے استعمال ہونا چاہئے۔ یعنی دہلی کے اخبار کو "استعفے" اور بنارس کے اخبار کو "تیاگ پتر" استعمال کرنا چاہئے۔

ایک دوسرا لفظ لیجئے "Responsibility" اسے ہندی میں "داتتوا" اور اُردو میں "ذمہ داری" کہتے ہیں۔ میں خاص طور پر دہلی اور یوپی کے اخباروں کے کالموں میں "ذمہ داری" کے لفظ کو ہمیشہ ترجیح دوں گا۔ مگر مناسب بات یہ ہے کہ ادبی اور صحافتی طرز تحریر کے مابین امتیاز کو ضرور مدنظر رکھا جائے ورنہ ان کے خلط مبحث سے ادب اور صحافت دونوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے، یعنی عام آدمی کی نظر میں ادب ارزاں اور صحافت بے اثر ہو جائے گی۔

میرا خیال ہے کہ اگر ہمارے روزنامے اپنے لسانی نقطۂ نظر سے بالا ہو کر، قارئین کی دلچسپی قائم رکھنے کی سعی کریں تو وہ خود بہتر ہو جائیں گے۔ اور آج ہندی اخبار کا یہ پہلا فرض ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہندی اخبار پڑھنے کی عادت ڈالنے کی طرف راغب کرے۔ اُن کا یہ فرض نہ ہونا چاہئے کہ ہندی کے اِس یا اُس انداز تحریر کو مقبول بنایا جائے۔ اس کام کو مستقبل کے روزناموں کے لئے چھوڑ دینا چاہئے اور میرا مطالبہ آج اپنے نامہ نگاروں سے یہ ہے کہ وہ تازہ خبروں کی اشاعت میں ایک ایسا انداز اختیار کریں جو قارئین کے لئے پسندیدہ ہو، خواہ وہ اچھا ہو یا برا۔ خالص ہندی ہو یا غیر خالص ہندی۔ البتہ خالص زبان کی ایک الگ سطح ہوتی ہے اگر اسے بلند کرنے کی کوشش کی گئی تو زندہ زبان باقی نہیں رہ سکتی، زندہ زبان کی سطح وقت کے ساتھ ساتھ خود بلند ہو گی۔

انجمن ترقی اُردو اُترپردیش کا انتخاب

ریاستی انجمن ترقی اُردو اترپردیش کے سکریٹری حیات اللہ انصاری صاحب نے اخباری بیان کے ذریعہ اس بات کا اعلان کیا ہے کہ ۲۹ مارچ ۶۴ کو ریاستی انجمن ترقی اُردو کی کونسل کا جلسہ ہوگا جس میں نئے عہدے داروں کا انتخاب کیا جائے گا۔ انھوں نے انجمن کی تمام مقامی شاخوں سے درخواست کی ہے کہ وہ اپنے ممبروں اور تازہ نمایندوں کی فہرست ریاستی دفتر (۲۵ رائل ہوٹل لکھنؤ) کو بھیج دیں۔

انجمن اُردو سماج کا مشاعرہ

انجمن اُردو سماج کے صدر حضرت مدہوش اکبرآبادی کی طرف سے عنوان چشتی کے آگرہ یونیورسٹی سے ایم اے اُردو میں اول آنے کی خوشی میں وکٹوریہ اسکول میں عصرانہ دیا گیا اور اس کے بعد مشاعرہ ہوا۔ علامہ سنت پرشاد مدہوش نے مبارکباد پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نوجوان سے اُردو زبان و ادب کو بہت سی امیدیں وابستہ ہو چکی ہیں۔ مشاعرے کے صدر پنڈت راج ناتھ صاحب کنزرو نے فرمایا کہ اُردو ایک طاقتور زبان ہے یہ کسی طرح دبانے سے نہیں دبے گی۔ میں تو اُردو کا عاشق ہوں اور اُردو والوں کو مل کر کام کرنے کا مشورہ دیتا ہوں۔ مشاعرے کی نظامت کے فرائض حضرت ابر احسنی گنوری نے انجام دیے۔ مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت فرمائی۔

حضرت مدہوش اکبرآبادی۔ حضرت ابر احسنی۔ حضرت بیکش اکبرآبادی۔ حضرت شہاب سرمدی۔ حضرت سنہا۔ حضرت ارمان آفریدی۔ حضرت شفا شمس آبادی۔ حضرت افضل قریشی۔ عنوان چشتی۔ عزیز جھانسوی۔ شمیم قریشی منگلوری۔ ادیب کاسگنجوی۔ اسرار اکبرآبادی۔ اصغر اکبرآبادی۔ ذہین نقوی۔ زخمی اکبرآبادی۔ سرور اکبرآبادی۔ معین فریدی۔ اقبال انجم درویش۔ مذاق جھانسوی۔ مخزمہ کرن جھانسوی۔ دلکش دہلوی۔ عالم منگلوری، اسلم اکبرآبادی وغیرہ وغیرہ۔

(شمیم قریشی پروپیگنڈہ سکریٹری)

اکاڈمیوں کے کاموں کا جائزہ

(بحوالہ انڈین ایکسپریس) مرکزی وزارت تعلیم نے تین قومی اکاڈمیوں (ساہتیہ اکاڈمی، سنگیت ناٹک اکاڈمی اور للت کلا اکاڈمی نیز انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشن) کے کاموں کا شروع سے جائزہ لینے کے لئے ڈاکٹر ہومی جے۔ بھابھا سکریٹری محکمہ ایٹمک انرجی کے زیر سرکردگی تین ممبروں کی ایک کمیٹی کا تقرر کیا ہے۔

کمیٹی کو یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ ان اداروں کو چوتھے اور پندرہ سالہ منصوبوں میں شامل کرنے کے لئے بھی وہ اپنی تجویزیں پیش کریں اور تین مہینے کے اندر اندر مرکزی حکومت کو اپنی رپورٹ بھیج دیں۔

کمیٹی کے دوسرے دو ممبر (۱) شریمتی کملا دیوی چٹوپادھیا، چیرمین آل انڈیا ہینڈی کرافٹ بورڈ (۲) اور مسٹر ایم اے چدمبارم آنریری سکریٹری تامل عیسائی سنگم مدراس ہیں۔

کرشن موہن

فراق

یہ کہتا تھا اک ناقد بدمذاق — غلط شعر کہتے رہے ہیں فراق
انھیں جادۂ راست سے ہے نفاق — کہ ہے کج روی سے بہت انطباق
ہوا ہے کئی بار یہ اتفاق — کہ دی ہے زبانِ غزل کو طلاق
روایت کو رکھا ہے بالائے طاق — بغاوت سے ہے اتفاق و وفاق
رہے بے نیازِ قیودِ عروض — چلے برخلافِ سیاق و سباق
لگائی وہ بدعت کی ضربِ مہیب — کہ ہوتی گئی طاقتِ شعر طاق
زباں اجنبی ہے، بیاں سخت ہے — یہ اشعار ہم پر گزرتے ہیں شاق

وہ بے چارہ ناقد رہا بے خبر — سمجھتا رہا خود کو چوبند چاق
قدیرِ سخن، ماہرِ علم و فن — بزعمِ خود افکارِ عالی میں طاق
مگر جان پایا نہیں اب تلک — قواعد اور اشعار کا افتراق
عدولِ روایت پہ جلتا رہا — دکھاتا رہا قلب کا احتراق
کہے ایسا مصرع، غلط ہی سہی — کہیں جس طرح سے جنابِ فراق
اسی آرزو میں تڑپتا رہا — رہا عمر بھر دل میں یہ اشتیاق
جو ہو بندۂ بندشِ صرف و نحو — وہ سمجھے گا کیا شعر کا طمطراق

جنوں کی فضا بے حد و بیکراں
خرد کے ہیں محدود طاق و رواق

کرشن موہن

غزل

دور تک اس خشک صحرا میں نہیں کوئی درخت
اس قدر اس سرزمینِ آتشیں کا دل ہے سخت

میری ٹھوکر میں ہیں سلطاں، ہوں وہ درویشِ غنی
شانِ استغنا کے آگے ہیچ شانِ تاج و تخت

ہر قدم پر حوصلہ دیتی ہے مجھ کو تیری یاد
زیست کے مشکل سفر میں تیرا غم ہے میرا رخت

موسمِ رنگیں نے تیری یاد کو چمکا دیا
آج تیرا غم سوا ہے، آج دل ہے لخت لخت

یہ بھی کیا حسنِ عطا ہے یہ بھی کیا شانِ کرم
کوئی ہے رخشندہ اختر اور کوئی تیرہ بخت

کرشن موہن کب تلک شیشہ حریفِ سنگ ہو
دل بہت نازک ہے اپنا اور دنیا ہے کرخت

مرتبہ وقار خلیل

ایک رپورتاژ

یوم محمد قلی قطب شاہ کا آنکھوں دیکھا حال

ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد کی جانب سے اُردو زبان کے پہلے صاحب دیوان شاعر قطب شاہی خاندان کے جلیل القدر تاجدار اور دارالسلطنت شہر حیدرآباد کے بانی سلطان محمد قلی قطب شاہ معانی کی یاد گذشتہ سنین کی طرح اس سال بھی ۱۱تا ۱۳ جنوری سنہ ۱۹۶۶ء کو منائی گئی۔ ڈاکٹر زورؔ مرحوم نے سنہ ۱۹۵۰ء میں اس تقریب کا آغاز کیا تھا۔ اور ہر سال یہ تقریب قومی اور تہذیبی یک جہتی کی سال گرہ کے طور پر منائی جاتی ہے۔

محمد قلی قطب شاہ کا عہد آخری سولھویں صدی، اور ابتدائی سترھویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا۔ عہد وسطیٰ کی تاریخ میں یہ زمانہ نشاۃ ثانیہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اس وقت ایران، ترکی، برطانیہ اور ہندوستان میں زندگی اور معاشرے کے نئے اور صحت مند تصورات اُبھر رہے تھے۔ انگلستان میں ملکہ الزبتھ کی حکومت تھی اور انگریزی کا مشہور شاعر اور ڈرامہ نویس شکسپیر کی نغمہ سنجی ہو رہی تھی۔ ایران میں صفوی سلطنت کا ستارہ بام عروج پر تھا۔ ہندوستان میں اکبر بادشاہ سریر آرائے سلطنت تھے، اور جنوبی ہند میں گولکنڈے کی قطب شاہی اور بیجاپور کی عادل شاہی سلطنتیں علم و ادب اور فنون لطیفہ کی خدمت میں ہمہ تن مصروف تھیں۔ اور ان سلطنتوں میں اکبر کے ہم عصر ابراہیم عادل شاہ اور محمد قلی قطب شاہ ایک مشترکہ ہندوستانی کلچر کی تعمیر کر رہے تھے۔

۱۱ر جنوری سنہ ۱۹۶۶ء محمد قلی قطب شاہ کی ۳۵۲ ویں برسی کا دن تھا۔ اس روز شام کے پانچ بجے شہر سے ۵ میل دور قلعہ گولکنڈہ کے دامن میں محمد قلی قطب شاہ کے عظیم الشان گنبد کے چبوترے پر ادیبوں، شاعروں، پروفیسروں، طالبعلموں مختلف سیاسی مکتبۂ خیال افراد عوام اور اُردو دوستوں کے نمائندے اور کثیر اجتماع میں اس بادشاہ کی یاد کا افتتاحی جلسہ شروع ہوا۔ اس بادشاہ نے سب سے پہلے ہندوستانی کلچر کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کا دربار عالموں، شاعروں اور فن کاروں کا مرکز تھا۔ اس نے دلی سے پہلے ہماری زبان میں گیت، نظمیں اور غزلیں لکھیں۔ پچاس ہزار سے زائد شعر اس کی یادگار ہیں اور یہ اشعار ہندوستانی تہذیب و تمدن کا جگمگاتا ہوا مرقع ہیں۔ اس تقریب میں شرکت کے لئے ریاستی حکومت کے احکام کی بموجب سالہائے گزشتہ کی طرح اس سال بھی دفاتر دوپہر میں بجے سے بند کر دئے گئے تھے۔ اخبارات و رسائل نے اس موقع پر خصوصی اشاعتیں شائع کیں اور محمد قلی کے عہد اور دکنی ادب کو خراج عقیدت ادا کیا۔

ڈاکٹر بی رام کشن راؤ (ایم۔پی) سابق گورنر کیرالا و اترپردیش کی صدارت میں افتتاحی اجلاس منعقد ہوا۔ سوسائٹی کے عابد علی خاں نے اپنے دلآویز ترنم میں ساز پر محمد قلی کی مناجات (مولا شہر لوگاں سوں معمور کر) سنائی۔ عابد کی مدھر اور رسیلی آواز سے مجمع جھومنے لگا اسی خوش گوار فضا میں ادارے کے معتمد ڈاکٹر مہندر راج سکسینہ اسٹیج پر آئے اور خیر مقدمی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ محمد قلی قطب شاہ نے اتحاد اور رواداری کی روایتیں قائم کی ہیں انھیں اہل حیدرآباد نے آج تک باقی رکھا ہے۔ اس زمانے میں علم و ادب اور تہذیب تمدن کی جو شمع روشن ہوئی تھی وہ آج بھی فروزاں ہیں۔ محمد قلی کے حضور نذرانے پیش کرتے ہوئے پروفیسر سکسینہ نے کہا کہ "محمد قلی نے فراخ دلانہ روایات کا جو پودا لگایا تھا اس کو آج بھی پھل پھول لگ رہے ہیں" اور یہی وجہ ہے کہ اس بادشاہ کی یاد روز بروز تازہ اور شگفتہ ہوتی جارہی ہے اور اس کے کارناموں کا جس طرح مطالعہ کیا جارہا ہے اتنا ہی ان کے دور کی خوبیاں واضح ہو رہی ہیں۔ ہمارا شہر محمد قلی کی تہذیب، اس کی علمی و ادبی سرپرستی اور اس کی شاعری کا گہوارہ ہے۔ حیدرآباد شہر غزل ہے اس کا گنگا جمنی کلچر زندہ و پائندہ ادب صدیوں اہل ہند کے لئے مشعل راہ کا کام دے گا۔ ڈاکٹر سکسینہ نے ادارۂ ادبیات اُردو کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے وضاحت سے کہا کہ بزم محمد قلی قطب شاہ ڈاکٹر زورؔ مرحوم کے الفاظ میں ادارے کی ایک سالانہ تقریب ہے اور یہ حیدرآباد کے ارتقائے ادب اور ثقافت کا سالانہ جائزہ ہے۔ گذشتہ یوم محمد قلی سے اب تک ادارے نے نصف درجن سے زیادہ علمی و ادبی اور تاریخی کتابیں شائع کیں۔ قطب شاہی ادب اور ثقافت کی ترتیب اشاعت کا کام بھی جاری ہے۔ اس سلسلے کی چند کتابیں طباعت کی آخری مراحل طے کر رہی ہیں۔ ادارہ گذشتہ ایک سال سے حیدرآباد کی منظوم ادبی تاریخ کا کام بھی مکمل کرا رہا ہے۔ اور اس کے آئندہ پروگرام میں دکن کی تاریخ اور تہذیب شعر و ادب کی بہت سی کتابوں کی اشاعت بھی شامل ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر سکسینہ نے سب رس کے دستاویز زورؔ نمبر، ظفر نمبر اور ادارے کے اُردو امتحانات اور اُردو میوزیم نیز مطبوعات و مخطوطات کے شعبوں کی تفصیلات بتائیں۔ اور آخر میں بھرائی آواز میں ادارے کے بانی ڈاکٹر زورؔ کی رحلت پر آنسو بہائے اور کہا کہ ہم بھول نہ اسی یادگار مقام پر ڈاکٹر زورؔ کو یوم محمد قلی کے انتظامات کرتے، جلسے کی کارروائی کو چلاتے، خیر مقدمی تقریر کرتے

گزشتہ برسوں پھلتے اور پھولتے دیکھا ہے۔ آج وہ سوجھ بوجھ والی پروقار اور عظیم المرتبت شخصیت جس کے دم سے نصف صدی تک دکن کی ادبی محفلیں آراستہ رہیں وہ چراغ علم و دانش جو بجھ گیا، وہ میر کاروان تہذیب و تمدن جو اب ہم میں نہیں ہے، تاہم آج بھی ہم اس کے عطا کردہ حوصلوں اور اُمنگوں کو مشعل راہ بنائے ہوئے ترقی کی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔"

ڈاکٹر سکسینہ کی تقریر کے بعد صدر ادارہ پروفیسر سید علی اکبر نے ڈاکٹر بی رام کشن راؤ کی گل پوشی فرمائی اور گنبد محمد قلی تالیوں سے گونج اُٹھا۔ مہکتی اور عطر بیز فضا میں یوم محمد قلی قطب شاہ کے جواں سال کنوینر جناب من راج سکسینہ (ایڈوکیٹ) نے مائیک پر اعلان کیا کہ حیدرآباد کی ممتاز نغمہ کار محترمہ قمر جہاں، محمد قلی کی غزل "ساقیا آ شراب ناب کہاں" سنائیں گی۔ قمر جہاں کے ہوش ربا کیف اور ترنم سے محفل جھومنے لگی۔ اسی مہکتے اور بہکتے ماحول میں تالیوں کے شور میں صدر جلسہ ڈاکٹر بی رام کشن راؤ نے صدارتی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "سلطان محمد قلی قطب شاہ نے جس شہر کی بنیاد رکھی تھی وہ شہر مختلف اقتصادی، سیاسی اور دوسری تبدیلیوں اور انقلابات کے باوجود مشترکہ تہذیب، لسانی اور بین فرقہ جاتی اتحاد باہمی میل جول اور رواداری کی اعلیٰ روایات کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ اور سارے ملک کے لئے قابل فخر اور قابل تقلید مثال پیش کر رہا ہے۔ ہمیں انہی خصوصیات کو برقرار رکھنے کے لئے مقدور بھر کوشش کرنی چاہئے۔ ڈاکٹر بی رام کشن راؤ نے ادارہ ادبیات اُردو اور اس کے بانی ڈاکٹر زور مرحوم کی گراں قدر خدمات اور قطب شاہی تہذیب تمدن کی ترویج و احیاء میں ان کے حصے کا ذکر کرتے ہوئے ان کی بے وقت رحلت پر گہرے رنج و الم کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر راؤ نے کہا کہ محمد قلی کی سلطانی سے زیادہ قابل قدر چیز ان کی انسان دوستی اور ادب نوازی تھی۔ حیدرآباد پانچ زبانوں کا ایک خوبصورت سنگم ہے۔ تلگو، اُردو، مرہٹی، کنڑی اور ہندی بولنے والوں کے مابین یہاں آپس میں روادارانہ برتاؤ رہا ہے، اور یہاں کا قومی اتحاد اپنی مثال آپ ہے۔ یہ رواداری اور اتحاد دراصل محمد قلی کی حیدرآبادیوں کو ایک دین ہے۔" تالیوں کی گونج میں غیر منقسم حیدرآباد کے سابق وزیر اعلیٰ ڈاکٹر بی رام کشن راؤ نے کہا کہ "آج کا آندھرا پردیش دراصل قطب شاہی ریاست کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔ حیدرآباد کے اخلاق و اخلاص، موسم اور یہاں کے آپسی اتحاد اور روادارانہ برتاؤ کے سامنے ہندوستان میں جیتے ہوتے ہیں۔"

ڈاکٹر راؤ کی عالمانہ صدارتی تقریر کے بعد پروفیسر سید علی اکبر نے یوم محمد قلی کے سلسلے میں آئے ہوئے پیامات سنائے۔ نواب مہدی نواز جنگ گورنر گجرات، رقمطراز ہیں کہ "یوم محمد قلی کو ایک قومی، تاریخی اور تہذیبی اہمیت حاصل ہے۔ ڈاکٹر زور کے بعد آپ حضرات اس کام کو آگے بڑھانے میں خلوص اور سرگرمی سے حصہ لے رہے ہیں جو یقیناً قابل مبارکباد ہے۔"

ڈاکٹر جی گوپال ریڈی (سابق مرکزی وزیر حکومت ہند) نے تحریر فرمایا ہے کہ "یوم محمد قلی میرے لئے خوشگوار یادوں کے اعادے کا دن ہے جن سے میں مسرت حاصل کر چکا ہوں۔ ڈاکٹر زور ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ہمیں یوم محمد قلی کو ہمیشہ مناتے رہنا چاہئے۔ یہ یوم ڈاکٹر زور کی آرزوؤں کا آئینہ دار ہے۔ سلطان محمد قلی نہ صرف حیدرآباد کا بانی تھا بلکہ وہ مختلف اقوام کے لوگوں کا مربی اور سرپرست بھی تھا اس کی شخصیت بڑی رنگین اور رومانی تھی۔"

ممتاز مورخ ڈاکٹر تاراچند اپنے پیام میں کہتے ہیں کہ "محمد قلی کا شمار اُن چند مدبروں میں ہوتا ہے جنھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیب کو یک رنگ کر کے ہندو مسلم اتحاد اور یک جہتی کے جذبے کو پروان چڑھایا۔ بادشاہ کے علاوہ وہ ایک عالی مرتبت شاعر بھی تھا کئی زبانوں کا شاعر اور علم و ادب کا سرپرست بھی تھا۔ اس عظیم بادشاہ کی خدمات اس امر کی متقاضی ہیں کہ اس کی یاد اہل ہند کے دلوں میں ہمیشہ تازہ رکھی جائے۔"

جناب اے سی چھاگلہ مرکزی وزیر تعلیم جناب بدرالدین طیب جی وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ڈاکٹر اعجاز حسین، پنڈت تلوک چند محروم، اور ڈاکٹر گیان چند کے پیامات میں اس تقریب کی کامیابی کے لئے نیک توقعات وابستہ کی گئی تھیں۔

صدر نشین مجلس قانون ساز مغربی بنگال ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی نے اپنے پیام میں تحریر فرمایا ہے کہ "ادارہ ادبیات اُردو نے یوم محمد قلی مناکر ایک ایسے بادشاہ کی یاد تازہ کی ہے جو اکبر اعظم کا ہمعصر تھا اور اس نے دکن میں ہندو مسلم تہذیب کو ایک دوسرے میں سمو کر محبت اور صلح جوئی کی مضبوط بنیاد ڈالی۔ اس کے علاوہ آندھرا کے لوگوں سے اس کی یکجہتی نے ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ محمد قلی کے نقش قدم پر چل کر آصفجاہی بادشاہوں کے زمانے میں بھی حیدرآباد ہندو مسلم تہذیب کا ایک ایسا گہوارہ بن گیا جس کو ہم شمال میں دلی اور لکھنؤ کا

ہم پایہ قرار دیتے ہیں۔ آخر میں میری دعا ہے کہ حیدر آباد کو جو دکنی اور ہندوستانی ادب کا ایک بہت بڑا مرکز ہے ہمیشہ آباد رہے۔"

جناب اے۔ آر۔ کرپلانی سکریٹری نیشنل ساہتیہ اکاڈمی دلی نے اپنے پیام میں کہا ہے کہ "میں ساہتیہ اکاڈمی کی جانب سے اس تقریب کے انعقاد پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ادارہ یقیناً ایک ایسے بادشاہ کو خراج عقیدت پیش کر رہا ہے جو ایک بہت بڑی تہذیب کا بانی تھا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر زور کو بھی جو اس وقت ہم میں نہیں ہیں خراج تحسین ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اس یوم کے منانے کی ابتدا کی۔ مرحوم ساہتیہ اکاڈمی کے ایک گراں قدر دوست اور رکن تھے۔"

مرکزی انجمن ترقی اردو ہند کے جنرل سکریٹری پروفیسر آل احمد سرور اپنے پیام میں رقمطراز ہیں کہ "یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر زور نے اردو کے اس پہلے صاحب دیوان شاعر اور قومی اتحاد کے علمبردار کی یاد منانے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ جاری ہے۔ اس طرح ہم نہ صرف قدیم اردو ادب سے اپنا ربط قائم رکھیں گے بلکہ اردو زبان اور ادب کا قومی اتحاد کو استوار کرنے میں جو درجہ ہے اُسے بھی یاد کر سکیں گے اور یقین ہے کہ یوم محمد قلی کے ذریعہ دکن میں اردو کے سماجی اور قومی کردار کو اور واضح کیا جا سکے گا۔"

صاحب طرز انشا پرداز پروفیسر رشید احمد صدیقی (علی گڑھ) اپنے گراں قدر پیام میں فرماتے ہیں کہ "سلطان محمد قلی قطب شاہ کے ساتھ مجھے دہلی کے آخری تاجدار ظفر اور دکن کے موجودہ گوشہ نشین حکمراں بھی یاد آرہے ہیں۔ دکن کو اس کا دو گونہ فخر ہو سکتا ہے کہ اردو کا پہلا صاحب دیوان سلطان شاعر وہاں کا ہے اور غیر منقسم ہندوستان کی دیسی زبان کی تا ایں دم اولین دانش گاہ عثمانیہ یونیورسٹی کا بانی اور محسن بھی وہیں کا فرماں روا ہے۔ اس موقع پر اس تقریب کے بانی اور میرے مربی ڈاکٹر زور بھی یاد آتے ہیں۔"

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی کا پیام ہے "نہ سلطان محمد قلی قطب شاہ ہیں اور نہ ڈاکٹر زور، جو چیز زندہ رہنے والی ہے وہ اُن کے کارنامے ہیں اور قومی تہذیب میں ان کا حصہ، خدا کرے آج ۳۵۲ ویں برسی کے دن آپ لوگوں کے دل میں ان خیالات کی شمع روشن ہو جائے جن کی بدولت محمد قلی سے زور صاحب تک ہمارے راستے کی ظلمتیں دور ہو سکیں اور ہم میں جینے اور ساتھ رہنے کا سلیقہ پیدا ہو سکا۔" (باقی)

حیدر آباد ضلع پرشید کی چوتھی اسٹینڈنگ کمیٹی کی قرارداد

پروفیسر ایچ کے شیروانی کی تحریک پر یہ کمیٹی ضلع پرشید کی مجلس عام کے اجلاس منعقدہ ۳۰ مئی سنہ ۶۲ء کی منظور شدہ قرارداد کے پیش نظر شدید طور پر اس ضرورت کا احساس کرتی ہے کہ پرائمری درجوں میں لسانی اقلیتوں کو اُن کی مادری زبان میں تعلیم دینے کے لئے آئین ہند کے بنیادی اصولوں کی پوری پوری پابندی کی جائے۔ اس لئے کمیٹی پنچایت سمیتیوں کے تمام پردھانوں اور ضلع کے متعلقہ افسروں سے درخواست کرتی ہے کہ اس سلسلے میں پوری دلچسپی کا مظاہرہ کریں، اور لسانی اقلیتوں کے بچوں کو اُن کی مادری زبان میں تعلیم دینے کے لئے زیادہ سے زیادہ امکانی آسانیاں فراہم کریں اور لسانی اقلیتی جماعتوں پر اچھی طرح واضح کر دیں کہ ان کے لئے کیا کیا سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔ اس لئے پنچایت سمیتیوں کے پردھانوں اور ضلع کے متعلقہ افسروں سے درخواست ہے کہ براہ کرم اس پالیسی پر سختی کے ساتھ عمل درآمد کریں کیونکہ خود حکومت بھی اس قسم کی ضروری سہولتیں فراہم کرنے کے حق میں ہے۔

پردھانوں کو چاہیئے کہ اپنے افسران کو مناسب ہدایتیں جاری کر دیں کہ تعلیمی سال کے شروع ہونے سے دو ہفتہ پہلے تک تین مہینے کی مدت کے دوران لسانی اقلیتوں کے بچوں کے داخلے اور مادری زبان میں تعلیم دلانے کے سلسلے میں والدین کی طرف سے جتنی درخواستیں موصول ہوں ان کو منظور کر لیں اور ان درخواستوں کا اندراج رجسٹر میں بھی کر لیا جائے۔ اس سے یہ اندازہ لگانے میں آسانی ہوگی کہ مزید سہولتیں کس حد تک فراہم کرنا ضروری ہوں گی۔

شاخ انجمن امروہہ کا انتخاب

حسب اعلان عام انجمن ترقی اُردو (ہند) شاخ امروہہ کا سالانہ انتخابی جلسہ بمکان جناب صولت حسین صاحب سینٹری انسپکٹر صاحب بصدارت جناب عبدالعزیز صاحب بالقابہ بتاریخ یکم مارچ سنہ ۱۹۶۴ء بوقت ۸ بجے شب انعقاد پذیر ہوا اور حسب ذیل انتخابات عمل میں آئے۔

(عرفان مرزا جنرل سکریٹری)

صدر :- جناب مولوی حکیم صیانت اللہ صاحب صدیقی۔
نائب صدر :- جناب مولوی آل احمد صاحب عباسی۔
جنرل سکریٹری :- جناب برجیندر زاین صاحب ماتھر ایڈوکیٹ۔
نائب سکریٹری :- جناب عزیز احمد صاحب عباسی۔
خازن :- جناب عبدالعزیز صاحب صدیقی۔
آڈیٹر :- مولوی سردار احمد خاں صاحب ایم اے ایل ایل بی۔

گیا میں یوم مولانا آزادؒ

گیا۔ ۲۲ فروری ۱۹۶۴ء۔ آج یہاں ادارۂ مورچہ کے زیر اہتمام یوم مولانا ابوالکلام آزادؒ جواہر ٹاؤن ہال گیا میں بڑی کامیابی کے ساتھ منایا گیا۔ اس کا پہلا افتتاحی اجلاس ۲ بجے دن میں شروع ہوا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے صدر شعبۂ عربی ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب نے صدارت فرمائی۔ اور مگدھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر کے۔کے۔ دتا نے افتتاح کیا۔ ڈاکٹر کے۔کے۔ دتا نے اپنی افتتاحی تقریر میں مولانا آزاد کی نظریاتی اور عملی زندگی کے بعض اہم نقوش پر روشنی ڈالی۔ موصوف نے بتایا کہ مولانا آزاد نے قومی یکجہتی کی تحریک اور اس کی تبلیغ میں خاص طور پر دلچسپی لی۔ اس سلسلے میں موصوف نے مولانا کی تقریر کا وہ اقتباس بیان کیا جو انھوں نے سنہ ۱۹۴۰ء میں رام گڑھ میں کانگریس کے اجلاس میں پیش کی تھی۔ ڈاکٹر دتا نے اپنی تقریر میں آگے چل کر کہا کہ آزاد نے اپنے ملک و وطن کے لئے بڑی مصیبتیں اور آزمائشیں برداشت کی ہیں۔ ڈاکٹر کے۔کے۔ دتا کی مؤثر اور بلیغ تقریر کے بعد چہ کی یتیم خانہ گیا کے طالب علم حافظ جناب کوثر صاحب نے بڑی دلکش انداز میں قرأت کے ساتھ تلاوت قرآن فرمائی اور اس کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔

جناب کلام حیدری سکریٹری انچارج مجلس استقبالیہ مائک پر اناؤنسمنٹ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

وفا ملک پوری مدیر صبح نو نے مولانا آزاد پر بڑی اچھی نظم سنائی جو کافی پسند کی گئی۔ اس کے بعد علامہ جمیل مظہری کی نظم بھی وفا صاحب نے پڑھ کر سنائی جو انہوں نے خاص طور پر اس جلسے کے لئے بھیجی تھی۔

معین شاہد مدیر مورچہ نے حضرت بسمل سنسہاری کے لکھے ہوئے تین قطعات پڑھ کر سنائے جن قطعات میں حاضرین جلسہ اور خصوصی مہمانوں کو ادارۂ مورچہ کی طرف سے ہدیۂ تشکر پیش کیا گیا تھا۔

ملک کے ممتاز دانشوروں اور رہنماؤں کے پیغامات پڑھ کر کلام حیدری مدیر اعلیٰ مورچہ گیا نے سنائے۔ ان پیغامات میں مندرجہ ذیل حضرات کے پیغامات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر رادھا کرشنن، نائب صدر ڈاکٹر ذاکر حسین، وزیر اعظم جواہر لال نہرو، جناب بدرالدین طیب جی وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، شری پرفلا چندر سین وزیر اعلیٰ ویسٹ بنگال، شری کرشن بلبھ سہائے وزیر اعلیٰ بہار، شری مہیش پرشاد سنہا وزیر آب پاشی بہار سرکار، مکرجی وائس چانسلر بھاگلپور یونیورسٹی۔

آخر میں ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب نے خطبۂ صدارت میں مولانا آزاد کی سیاسی زندگی اور ان کے افکار پر روشنی ڈالی۔

چار بجے شام کو یوم آزاد کا پہلا افتتاحی اجلاس دو گھنٹے کے لئے ملتوی ہوا۔

اس کے بعد کلام حیدری صاحب کی رہائش گاہ رینج ہاؤس میں معزز مہمانوں کے اعزاز میں ٹی پارٹی دی گئی جس میں شہر کے ممتاز وکلاء، ادباء، شعراء اور رؤساء نے شرکت کی۔

سیمینار کا دوسرا اجلاس ۶ بجے شام سے شروع ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب نے فرمائی اور ملک کے مشہور اور مستند نقاد پروفیسر احتشام حسین نے اپنی تقریر سے افتتاح کیا۔

سیمینار میں مندرجہ ذیل حضرات نے حصہ لیا۔

ڈاکٹر عبدالعلیم، پروفیسر احتشام حسین، قیوم خضر مدیر اشارہ، پروفیسر عبدالمغنی، ڈاکٹر صدرالدین، مولانا ریاست علی ندوی، طیب عثمانی ندوی مدیر صدف۔

جناب کلام حیدری نے حاضرین جلسہ اور خصوصی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا، اور جناب محبوب ڈالی مدیر اعزازی مورچہ گیا نے "مورچہ" ہفت روزہ کا نصب العین اور اس کے اعلیٰ مقاصد کا اپنی مختصر تقریر میں اظہار کیا اور "ادب میں مورچہ کی دفاعی خدمات" کا جائزہ لیا۔

یوم آزاد میں سیمینار کا دوسرا اجلاس بہت زیادہ کامیاب رہا۔ جواہر ٹاؤن ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

یوم مولانا آزاد کی تمام کارروائیاں ٹیپ ریکارڈ کی گئیں۔ گیا کی تاریخ میں ۲۲ فروری ۶۴ء ایک یادگار دن تھا۔ اس نوعیت کا علمی اجتماع پہلی بار گیا میں ہوا۔

(غنی حیدر، اسسٹنٹ سکریٹری مجلس استقبالیہ)

پورٹ بلیر میں مشاعرہ

مورخہ ۲۲ فروری ۱۹۶۴ء بروز سنیچر رات کے ۸ بجے ینامی میں انجمن طلبائے قدیم کے سکریٹری شری اپاراؤ کی کوششوں کی بنا پر ہندوستانی بحری بیڑے کی آمد کے سلسلے میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا جس کی صدارت چیف کمشنر کے فائنشل ایڈوائزر شری این سی سرمہ نے کی۔

اس مشاعرے میں اردو اور ہندی دونوں زبانوں کے شعرا نے حصہ لیا۔ انجمن طلبائے قدیم کے سکریٹری شری ایم اپاراؤ کی اردو دوستی کی بنا پر ان جزیروں میں اکثر مشاعرہ ہوا کرتا ہے۔ مشاعرہ کے دوران ہوئے، توجہ کے مرکز لفٹننٹ کمانڈر گلزار رہے۔ محفل مشاعرہ ہر لحاظ سے کامیاب رہی۔ (ایم۔ احمد مجتبیٰ)

انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کی مجلس عاملہ کا جلسہ

انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کی مجلس عاملہ کا جلسہ زیر صدارت جناب محمد حسین خاں عرشی منعقد ہوا۔ یہ جلسہ ریاستی انجمن کے لیے نمائندوں کے انتخاب کے سلسلے میں بلایا گیا تھا۔ حسب ذیل حضرات متفقہ طور پر ریاستی انجمن کے لیے نمائندہ منتخب ہوئے ڈاکٹر عبدالاحد خاں خلیل، سید خدا حسین امین سلونوی، سید امیر حسن نورانی، کشوری لال نسیم کنجاہی، عبدالرحمن عرفانی، محمد حسین خاں عرشی، گیانی مہیندر سنگھ، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی۔ چونکہ پنڈت آنند نرائن ملّا۔ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب۔ حیات اللہ انصاری۔ سلطانہ حیات اور سید علی عباس حسینی ریاستی یا مرکزی انجمن کے ممبر پہلے سے ہیں اس لئے ان کو نمائندے کی حیثیت سے منتخب نہیں کیا گیا۔

انتخاب کے بعد حسب ذیل تجاویز متفقہ طور پر پاس کی گئیں:

(۱) انجمن ترقی اردو لکھنؤ کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ ریاستی انجمن سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنے آئندہ اجلاس میں اُردو کو یو۔پی میں علاقائی زبان بنانے کے پُرانے مطالبے کی تجدید کرے اور اس کے لیے مناسب موثر جدوجہد جاری رکھے۔

(۲) انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ گورنمنٹ اترپردیش سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ اس حقیقت کے پیش نظر کہ اس نے اپنے اعلان میں لکھنؤ کو اُردو کا خاص علاقہ تسلیم کیا ہے سرکاری جگہوں اور راستوں کے نام اُردو میں بھی لکھنے کا حکم صادر کرے تاکہ اُردو داں عوام کی دشواریاں دور ہوں۔

(۳) یہ جلسہ لکھنؤ کارپوریشن سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ شہر میں سڑکوں کے ناموں کے جو پتھر نصب ہیں یا آئندہ ہونے والے ہیں ان پر اُردو رسم الخط میں بھی نام کندہ کرائے جائیں نیز ناموں کی تبدیلی کی تجاویز سے قبل متعلقہ علاقہ کے باشندوں سے رائے لے لی جائے۔

(۴) یہ جلسہ آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ کی اُردو کُش پالیسی پر اظہار تشویش کرتا ہے کہ اس نے ہنگامی حالات کی آڑ لے کر اردو پروگراموں کو تقریباً ختم کر دیا ہے۔ یہ جلسہ ریڈیو کے ذمہ داروں سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ اُردو دشمنی کی اس مہم کو ختم کیا جائے اور ریڈیو پروگراموں میں اُردو کو اس کا وہ جائز حق کم از کم دیا جائے جو ہنگامی حالات سے پہلے اسے حاصل تھا۔

آخر میں سید ظہیر الدین علوی صاحب جنرل سکریٹری اُردو شاد عارفی اور شوق بہرائچی کی وفات پر اظہار غم و افسوس کی تعزیتی تجاویز منظور ہوئیں۔ (سیاست کانپور کے حوالے سے)

اوڈی پکس ریکس اُردو کے جھیس میں

نیشنل اسکول آف ڈرامہ نے اپنے آڈیٹوریم میں جو اوڈی پکس ریکس کا کھیل اُردو میں ترجمہ کر کے پیش کیا ہے وہ راجد ھانی کی تھیٹریکل زندگی کے لئے بڑی اہمیت کا حامل اور ناتجربہ کار ڈرامائی اداروں کے لئے مفید اور کار آمد ہے۔ دردناک موضوع کے علاوہ اس کھیل کا سب سے زیادہ متاثر کرنے والا منظر صاف ستھرے تختوں والا اسٹیج اور ہموار اور ستھری صاف اور شفاف گذرگاہیں تھیں، دیواریں سفید اور کھلی ہوئی اور روشنی سادہ اور کھیل کی رفتار اور نوعیت کے مطابق تھی سنجیدہ اور باوقار موسیقی سے ایک آسمانی اور روحانی فضا کا سماں بندھ رہا تھا۔ کوکلا مُرانی اور دیو موہا پترا کے لباس کا ڈیزائن بڑی سمجھ بوجھ کا پتہ دیتا تھا۔

ہدایت برجستہ تھی، مثال کے طور پر پل چل کر گانے والے گیتوں سے علم ہندسہ کی متوازن شکلیں جلوہ نما ہو رہی تھیں، لیکن ان سب سے بڑھ کر اوڈی پکس کی ذاتی دریافت کا منظر تھا، ہر تضاد کے ساتھ ساتھ اُس کی فطرت زیادہ نمایاں اور انجام کے قریب آتی دکھائی دیتی تھی۔

اوم شیو پوری نے اوڈی پکس کا اور سدھا شرما نے جوکاسٹا کا کردار بڑی عمدگی اور پختہ کاری سے ادا کیا۔ دوسرے کرداروں کی آوازوں میں کسی دل پسند چیز کی کمی محسوس ہوتی تھی۔

اگرچہ تقریریں شستہ اور شگفتہ تھیں لیکن کبھی کبھی لب ولہجہ کی ضرورت ہے۔ جذباتیت کا احساس ہوتا تھا۔ اس سے ہمدردی کے جذبات تو اُبھرتے تھے مگر دردناک خوف کا احساس پیدا نہیں ہوتا تھا۔

دانش کدہ کا سالانہ جلسہ

۴ر مارچ کو دانش کدہ کی مجلس عمومی کا سالانہ اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا فیض اعظمی منعقد ہوا۔ ادارے کے صدر حضرت فضا ابن فیضی نے اپنی سالانہ رپورٹ میں فرمایا کہ:۔

> ادب تک یہ ادارہ کرائے کی عمارت میں ہے جو ہمارے لئے کسی طرح سرمایۂ افتخار نہیں۔ ہمارا ادبی منصوبہ اس وقت مکمل ہوگا، جب ہمارے خوابوں کی تعبیر ایک "اردو ہال" کی شکل میں سامنے آئے گی۔

اس تعمیری پروگرام کا جوش اور دلچسپی سے خیرمقدم کیا گیا۔ سال رواں کے لئے مندرجہ ذیل عہدیداران و اراکین کا انتخاب عمل میں آیا۔

سرپرست: (۱) مولانا فیض الحسن صاحب فیض (۲) حاجی عبدالغفار صاحب نعمانی (۳) جناب عبدالحلیم صاحب جت صدر: نعمان بن حبیبی، نائبین صدر: (۱) انور انصاری (۲) حکیم اعظم اعظمی، محمد ولی اعظمی، منور علی انصاری، جنرل سکریٹری: نذیر احمد سردار، نائب سکریٹری: نور الہدیٰ انصاری، خازن: زین العابدین سوداگر۔

(جنرل سکریٹری)

"خان؟"

یکم مارچ سنہ ۶۴ء کے شمارے میں "عیب جو" کا اعتراض نظر سے گزرا۔ قریب ایک درجن چھوٹی بڑی کتابیں جو موجود تھیں دیکھیں اور ہر ایک میں سر سید احمد خان ہی نظر آئے۔

تفصیلات اور حوالے درج ذیل ہیں:-

(۱) تاریخ ادب اردو مترجمہ مرزا عسکری (نولکشور پریس لکھنؤ) سنہ ۲ (حصہ نثر) صفحہ ۳۰ (حصہ نثر)

(۲) مختصر تاریخ ادب اردو (ترمیم شدہ) مصنفہ سید اعجاز حسین (انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد) صفحہ ۲۴۷

(۳) نوائے آزادی (ادبی پبلشرز بمبئی) صفحہ ۴۵

(۴) آثار ابوالکلام آزاد۔ قاضی عبدالغفار (نیشنل انفارمیشن اینڈ پبلیکیشنز لمیٹڈ بمبئی) صفحہ ۳۵

(۵) اردو نثر کا تاریخی سفر (ترمیم و اضافہ شدہ) محمد زبیر (ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ) صفحہ ۵۶

(۶) اقبال ادب۔ وقار عظیم (رام نرائن لعل الہ آباد) صفحہ اوّل فہرست مضامین اور مابین صفحہ ۶ اور ۷ زیر تصویر سر سید احمد خان۔

(۷) منتخبات اردو (بمبئی بک ہاؤس) صفحہ ۴۴

یہ فہرست بہت طویل ہو سکتی ہے۔ ابھی نصف درجن کتابیں اور بھی پیش نظر ہیں جنھیں بخوف طوالت نظر انداز کرتا ہوں۔ اب اس کے بعد بھی اگر محترمہ نجمہ سمیع کی تحریر کو بے احتیاطی پر محمول کیا جائے اور "سر سید احمد خان" کو غلط ہی سمجھا جائے تو اسے "غلط عام" ہی کہیں گے (غلط عوام نہیں)۔ (سید منظر حسن دسنوی)

"سید احمد خاں لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ انھیں خان بہادر کا خطاب ملا تھا۔" ادارہ

مراسلات

گلشن داغ

"ہماری زبان" کے شمارہ یکم مارچ ۱۹۶۳ء میں صاحب حامد گلشن آبادی کا ایک مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں موصوف نے "تلامذۂ داغ" کا تعارف کرایا ہے۔ ضمناً کولام سے شائع ہونے والے ایک گلدستے "گلشن داغ" کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ موصوف کے لکھنے کے مطابق "گلشن داغ" کے شمارے "مفقود الخبر" ہیں۔

اس سے پہلے "ہماری زبان" کے شمارہ ۸ اکتوبر ۱۹۶۳ء میں فضل المتین صاحب نے "گلشن داغ" کے ایک شمارے بابت اگست ۱۸۸۹ء کا ذکر کیا تھا۔ پھر یکم جنوری ۱۹۶۴ء کے "ہماری زبان" میں شیخ محمد اسمٰعیل صاحب کے خط کے جواب میں موصوف نے اس شمارے کی کچھ تفصیلات بھی درج کیں جن میں مندرجۂ ذیل باتیں بھی شامل تھیں:-

[(۱) یہ گلدستہ (غالباً) ماہوار تھا۔ (۲) موجودہ گلدستے کے صفحات کی تعداد ۱۶ ہے۔ (۳) موجودہ گلدستے کے پیش نظر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ گلدستہ (غالباً) جنوری ۱۸۹۰ء میں جاری ہوا ہوگا۔]

ذیل میں اس گلدستے سے متعلق کچھ تفصیلات پیش کی جاتی ہیں، ان سے دوسرے امور کے علاوہ مندرجۂ بالا تفصیلات کی توثیق یا تصحیح بھی ہو جائے گی:-

صولت پبلک لائبریری رام پور میں "گلشن داغ" کے سات شمارے محفوظ ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:- بابت ماہ اکتوبر ۸۸ء، دسمبر ۸۸ء، جنوری ۱۸۸۹ء، فروری ۱۸۸۹ء، اپریل ۱۸۸۹ء، مئی ۱۸۸۹ء، جون ۱۸۸۹ء

یہ گلدستہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو کولام سے شائع ہوتا تھا، "مطبع مفید عام" آگرہ میں۔ اس کے مالک و مدیر منشی عبدالرحیم صاحب تھے جو داغ کے شاگرد تھے۔ گلدستے میں کئی جگہ انھوں نے اپنے آپ کو "تلمیذ داغ" لکھا ہے۔ سرورق پر اور اشعار کے علاوہ داغ کا یہ شعر بھی لکھا ہوا ہے

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

عموماً طرحی غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ امیر، جلال، داغ کی بھی غزلیں ہیں۔ اس سے اس کی رسائی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

زیر نظر شماروں میں اصل گلدستہ ۱۶ صفحے پر مشتمل ہے۔ سرورق اور آخر میں دو ورق ان کے علاوہ ہیں۔ ان دونوں اوراق میں اشتہار ہیں۔ اس طرح کل ۲۲ صفحے ہوئے۔

اکتوبر ۸۸ء کے شمارے پر نمبر شمار درج نہیں، البتہ دسمبر ۸۸ء کے شمارے پر "نمبرہ۔ جلد ۱" لکھا ہوا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ گلدستہ اگست ۸۸ء میں جاری ہوا ہوگا۔ مئی اور جون کے شمارے کے آخر میں شیفتہ کے دیوان کا اشتہار شائع ہوا ہے: "مطبع خیر خواہ عالم دہلی میں بڑی آب و تاب سے طبع ہو کر تیار ہو گیا ہے۔ مشتہرہ محمد میر حسن، مالک اخبار خیر خواہ عالم دریبہ دہلی۔"

(رشید حسن خاں)

کلیات ممنونؔ

"ہماری زبان" کے پرچوں میں میر نظام الدین ممنونؔ کے متعلق بعض مراسلات شائع ہوئے ہیں، اور ان کے کلام کے متعلق وضاحت چاہی گئی ہے۔ اسی خصوص میں اصحاب علم اور شائقین اردو ادب کی دلچسپی کی غرض سے کلیات ممنونؔ کی یہاں صراحت کی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ حیدرآباد کے کتب خانۂ آصفیہ جس کو اب اسٹیٹ سنٹرل لائبریری سے موسوم کیا گیا ہے ممنونؔ کا کلیات خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے، چنانچہ اس کا تذکرہ میری مرتبہ فہرست مخطوطات جلد اول میں درج ہے، البتہ میری فہرست میں ممنونؔ کے والد "منتؔ" کے تخلص میں "نون" کا نقطہ متروک ہو کر "مست" طبع ہوا ہے۔

"ممنونؔ" کا یہ کلیات خود ان کا قلمی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ کلیات کے صفحۂ اول پر "کلیات ممنون، نوشتہ خود مؤلف" کی صراحت ہونے کے علاوہ ہر صنف شاعری کے بعد سادہ صفحے اضافۂ کلام کے لئے چھوڑے گئے ہیں۔ یہ کلیات بڑے سائز کے (۷۲۳) صفحات پر مشتمل ہے، اصناف سخن کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

اولاً قصائد ہیں، جو حمد و نعت، منقبت حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ جلا اماموں کی مدح میں ایک ایک قصیدہ ہے، پھر اکبر شاہ ثانی کی مدح اور تہنیت عید الفطر و عید الضحیٰ کے متعلق کئی قصائد ہیں۔

اکبر شاہ ثانی کے علاوہ "محمد شاہ" کی مدح میں بھی چند قصائد درج ہیں، کلیات کے صفحہ (۱۷۲) تک قصائد درج ہوئے ہیں۔ قصائد کے بعد قطعات ہیں یہ بھی بادشاہ کی مدح اور تہنیت عید الفطر و عید الضحیٰ سے متعلق ہیں۔

قطعات کے بعد مثنویاں ہیں۔ ایک مثنوی محمد اکبر شاہ کی مدح میں ہے، ایک مثنوی مرزا جہانگیر کی شادی کی تقریب میں لکھی گئی ہے، ایک مثنوی "باغ حیات بخش" کی تعریف میں ہے، مثنویات کا اختتام صفحہ (۲۵۷) پہ ہوا ہے، صفحہ (۲۵۸) سے صفحہ (۲۷۷) تک ترکیب بند درج ہیں اور چند صفحے سادہ بھی رکھے گئے ہیں، صفحہ (۲۷۷) سے غزلیات کا آغاز ہوا ہے۔ ردیف وار غزلیات ہیں۔ کلیات کا بہت بڑا حصہ غزلیات کے لئے مختص ہو گیا ہے۔ چنانچہ (۶۹۳) صفحے تک غزلیات درج ہوئی ہیں، غزلیات کے بعد "مخمس" ہیں آخر میں رباعیات صفحہ (۷۰۳) سے آخری صفحے تک درج ہوئی ہیں۔

چند تاریخی قطعات بھی ہیں جن میں سے ایک قطعہ کی تاریخ سنہ ۱۲۵۰ھ ہے۔ اس سے واضح ہو سکتا ہے کہ کلیات کی تکمیل سنہ ۱۲۵۰ھ کے بعد ہوئی ہوگی، ممنونؔ کا انتقال سنہ ۱۲۶۰ھ میں ہوا ہے، اگر ان کے مرنے تک اس کلیات کی تکمیل قرار دی جائے تو غلط نہیں ہو سکتا۔ بہر حال ممنونؔ کا یہ کلیات خاص اہمیت رکھتا ہے۔ چونکہ اب تک ممنونؔ کے کلام کا مجموعہ شائع نہیں ہوا ہے اس لئے اس کلیات کی اہمیت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔

آخر میں "ممنونؔ" کے چند اشعار تفریح طبع کے لئے درج کئے جاتے ہیں:-

بندہ جمال حسن، صورت عشق مجاز کا
ہر آئینے میں جلوہ ہے اس جلوہ ساز کا

گر حسرت دل سنائیں گے ہم — تم کو بھی بہت رلائیں گے ہم
قیصر اور بھی اس زمیں میں ممنونؔ — اک ریختے کا بنائیں گے ہم
ممنونؔ جیتے رہے شب ہجر — منہ وصل میں کیا دکھائیں گے ہم

کی دوسری غزل ہیں کیا ساحری سی ممنونؔ
کچھ شاعری نہیں ہے جادو نگار ہیں ہم

جیسا کہ تذکرہ کیا گیا ہے، پہلا قصیدہ حمد میں ہے، اس قصیدے کا آغاز حسب ذیل اشعار سے ہے:-

اے صفت ذات میں تجھ کو ظہور و خفا
چشم سر و چشم سر حسن یہ تیرے فدا
دیکھ کے نور جمال سوچ کی کہنہ کمال
مائل حیرت نظر قابل حسرت ذکا

ان سطور سے میر نظام الدین ممنونؔ کے کلیات کے متعلق معلوم ہو سکتی ہے۔ جن اصحاب کو زیادہ وضاحت کی ضرورت ہو، مجھ سے دریافت فرما سکتے ہیں۔

(محمد نصیر الدین ہاشمی)

اردو میں تعلیم کی سہولت

وزیر تعلیم یو۔پی نے اسمبلی میں بحث کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ان بچوں کو جن کی مادری زبان اردو ہے اسی زبان میں پرائمری تعلیم دینے کی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں، اگر کم سے کم پانچ طالب علم چھٹے درجے سے اوپر آ گئے، اردو پڑھنا چاہیں تو اس کا انتظام کیا جاتا ہے۔

وزیر تعلیم نے بتایا کہ چھٹے درجے سے تین زبانوں کی تعلیم دینے کے لئے ۳۰۰۲ ٹیچر مقرر کئے گئے ہیں۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو علی گڑھ سے شائع کیا